

علماء کرام کی خدمت میں

گزشتہ اشاعت میں ان فتووں اور اشتہارات کا ذکر آچکا ہے جو دیوبند، مظاہر العلوم، تھانہ بھون اور دہلی کے بعض مشہور علماء کے قلم سے نکلے ہیں۔ اب ہمیں ایک اور اشتہار وصول ہوا ہے جسے ہندوستان سے لاکھ پستان میں پھیلا یا جا رہا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

حضرت مولانا مدنی کا بصیرت افروز بیان

مولانا مولوی عبدالحمید بلند شہری مدرس مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کے ایک خط کا وہ اقتباس ہے جو انہوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیضہم کو لکھا ہے۔ ذیل میں صرف وہ حصہ ہے جس کا تعلق اس جماعت سے ہے جس نے اپنا نام جماعت اسلامی رکھا۔ ”یہ خیال اس وقت سے پیدا ہوا ہے جب مودودیت جو کہ گنگوہ میں صورت فقہ اختیار کئے ہوئے ہے کچھ تبادلہ خیالات اور کچھ ان کے اختیارات کا مطالعہ کر دیا گیا یہ لوگ صحابہ تک متجاوز کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، عائشہ رضی اللہ عنہا و عنہم کو احیاء تبلیغ دین میں متجاوز عن الاعتدال کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔ نیز خود مسلک اعتدال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اتنی ہی ماضی و حال بلا واسطہ دین کو کتاب السنہ، کتاب اللہ سے سمجھا ہے۔ نیز حضرت حاجی علیہ الرحمۃ و مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھتے ہیں ان حضرات نے ابتدائے زندگی میں تو اچھا کام کیا مگر اخیر عمر میں ایسی مسموم غذا مسلمانوں کو دے گئے ہیں کہ آج تک مسلمان اس کے زہر سے محفوظ نہیں ہے اور یہی تنقیحات تصوف پر بہت کی ہیں۔ بعض اہل گنگوہ نے دیگر بعض کو حضرت ابوسعید علیہ الرحمۃ کے فرائد پر جانے سے روکتے ہوئے کہا کہ ایک سیاسی بے جوہر پتھروں میں پڑا ہے اور یہ شہوریت فخر ہے مودودیوں کا کہ دیوبند مظاہر العلوم میں فریانی کے مینڈھے تیار کئے جاتے ہیں علماء پر زبردست یہاں تک خاص کر ماضی و حال کے

بزرگوں پر غرض یا تفصیل پھر عرض کرونگا، سوقت یہ عرض کرنے کا مقصد ہے کہ آیا ہم کھل کر ان لوگوں کو جواب دیں کیونکہ خاصکر لنگوہ سے مجھکو واسطہ ہے و یا پیر میں اشرف العلوم میں حد کتابوں اور شب و روز یہ منکرات سامنے آتے رہتے ہیں تو لا محالہ کہنا پڑتا ہے۔ جواب شافی سے نوازیں۔

عبدالحامید بلند شہری

الجواب: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ خواہ صحابہ اکرام ہوں یا اولیاء عظام یا ائمہ حدیث و فقہ و کلام کوئی بھی معصوم نہیں ہے سب غلطیاں تو ہو سکتی ہیں مگر ان کے متعلق غماض کی تباہی نہیں قرآن حدیث میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے اعمال نامے اور انقا و علم کی تاریخی روایات معتبرہ اس قدر امت کے پاس ہیں کہ قرونِ حالیہ کے پاس ان کا عشر عشر بھی نہیں ہے ان پر تنقید ان ہی جیسے پائے علم و انقا والا کرنا کتاب ہے ہمارے زمانہ کے ٹیپو نیٹے جن کے پاس علم ہے نہ تقویٰ کیا منہ رکھتے ہیں کہ زبان و راز کریں سوئے اپنی بد بختی کہ اظہار کے زور کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درویش میلش اندر طعنہ پا کاں نہ۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتے ہوئے فرماتا ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشہد علی الکفار لآئۃ دومہر یکے۔ ولکن اللہ حبیب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم۔ لآئۃ تیسرے یکے۔ لکنتم خیر امتہ اخرجت للناس۔ لآئۃ چوتھی جگہ ہے وکذٰلک جعلنا کلمۃ امتہ وسطا۔ لآئۃ اور یہ کم غبت انکی شان میں بربیان بکتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اللہ اللہ فی اصحابی لا یتخذن وہم من تحذی غرم فی۔ احادیثِ نبویہ میں یہ ہے اصحاب کے متعلق میرے بعد انکو نشانہ ملامت مت بنا، آپ فرماتے ہیں خیر القرون قرنی ثلث الذین یلونہم الحدیث اور یہ با بخت ان کی شان میں بربیان کرتے ہیں۔ سوال: بانیین کے اور کیا۔ ہے ان جمعیوں سے گفتگو اور مناظرہ وغیرہ کرنا اپنے وقت کو ضائع ہے عبادت کی تمام غلطیاں اور بے ربطیاں ہوں گی توں انتہا یہی سے نقل کی گئی ہیں۔ کتابِ تربیان: ادارہ ترجمان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

کہنا ہے اللہ تعالیٰ انکی اور ہماری ہدایت فرمائے آمین۔ دارالعلوم اور مظاہر العلوم یا ان کے بنیاد رکھنے والوں اور طلباء اور مدرسین کے متعلق ہر گمراہ اور مخالف اہل اسلام اور مخالف اہل سنت ایسے ہی الفاظ کہنا ہے۔“

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

تھیں

مولوی سید شفیق الرحمن محلہ عالی کلاں سہارنپور

مکتوبہ جوت برقی پریس مراد آباد

یہ اشتہار بازی بجائے خود اس نوعیت کی ہے کہ اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے سخت نقیض عسوس ہوتا ہے، اور ناظرین ترجمان القرآن گواہ ہیں کہ اس طرز کے اشتہارات اور اخبارات و رسائل کے مستامین سے کبھی ان صفحات میں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ مگر اسوس ہے کہ بعض نادان مرید اور شاگرد اب ایسے اکابر کو اس میدان میں اتار لاتے ہیں جو اپنے علم و تقویٰ اور روحانی مشیخت کے لحاظ سے ہندستان پاکتان کی مذہبی دنیا میں محمود علیہ ہیں، اس لئے مجبوراً پچھلی اشاعت میں بھی ان کی طرف توجہ کرنی پڑی تھی، اور اب اس اشاعت میں دوبارہ اس پر اظہار خیال کرنا پڑ رہا ہے۔ ہماری طرف سے اس سلسلے میں یہ آخری گزارشات ہیں۔ خدا کرے کہ اس کے بعد پھر ان صفحات کو اس طرز خاص کے پرمیگنڈے کی جواب دہی سے آلودہ کرنے کی ذرت نہ آئے۔

(۱)

سب سے پہلی نمایاں چیز جو مولانا حسین احمد صاحب کے اس بیان میں نگاہ کو کھٹکتی ہے وہ ان کی زبان سے جسے ممکن ہے مولانا خود اپنے ثنایاں شان سمجھتے ہوں، مگر ہم ان کے ساتھ اتنا حسرت رکھتے ہیں کہ یہ زبان ہمیں ان کے مرتبے سے فرقہ و فتنہ نظر آتی ہے۔ کسی شخص یا گروہ سے اختلاف ہونا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ سخت سے سخت اختلافات ہو سکتے ہیں اور سخت سے سخت اظہار رائے شریفانہ زبان میں کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ زبان، کہ جس سے اختلاف ہو اس کے خلاف ٹٹ پونجیے، کم بخت، بد بخت،

اور خمیشت جیسے رکیک الفاظ استعمال کر ڈالے جائیں، ایک ہندو آدمی کے بھی شایان شان نہیں ہے کجا کہ ایک ایسا مرد بزرگ اس کو اختیار کرے جو اس بزرگ عظیم کی سب سے بڑی دینی دیرگاہ کا مستند نشین ہے اور جس کی طرف ہزار ہا آدمی تعلیم دین ہی کے لئے نہیں، تزکیۂ نفس کے لئے بھی رجوع کرتے ہیں۔ جب قوم کے معتدا اور مربی و معلم اس طرح کی باتوں پر اتر آئیں تو بعید نہیں کہ ان سے اخلاق و تہذیب کا سبق لینے والے اصاغراً آدمیت سے بالکل ہی عاری ہو جائیں اور اس قوم میں نام کو بھی ایک دوسرے کی عزت کا پاس باقی نہ رہ جائے۔

اذا كان سرب البيت بالطبل ضارباً فلا تله الا ولا دفيه على الرقص

مولانا کو اگر یاد نہ ہو تو ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ یہی وقت ہم نے ہی ان کے نظریۂ قومیت اور ان کی کانگریس سے موافقت پر تنقید کی ہے۔ وہ تنقید اب بھی ہماری کتابوں و مسودہ قومیت، اور مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم، میں موجود ہے۔ وہ اور ان کے شاگرد اور مرید ہماری ان تنقیدی عبارت کو دیکھ کر خود اسے قائم فرمائیں کہ دونوں زبانوں میں کتنا فرق ہے۔ بالفرض اگر دس بارہ برس بعد اس کا بدلہ لیتا ہی ضرور تھا تو جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے اصول پر لیا جاسکتا تھا۔ یہ تعدی آخر کس آئین کی رو سے حضرت کے لئے جائز ہو گئی؟

(۲)

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے، وہ مولانا کی انتہائی غیر ذمہ دارانہ روش ہے جو انہوں نے دوسروں کے دین و اعتقاد پر اظہارِ رائے کرنے میں احتیاء کی ہے۔ ان کے سامنے ایک مفروضہ سوال پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک جماعت کا نام لے کر اس پر چند الزامات لگائے گئے تھے۔ تنابہر بالانتخاب سے قطع نظر ”مودودیوں“ اور ”مودودیت“ کے الفاظ سے جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے، مولانا اس سے بالکل ناواقف نہ تھے۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ ہندوستان و پاکستان میں ہزار ہا مسلمان اس سے وابستہ اور لاکھوں اس سے متاثر ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس جماعت کے خیالات کہیں چھپے ہوئے نہیں ہیں بلکہ لکھے لکھائے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود ایک سائل نے جیسے کچھ بے مثر یا

ازامات بغیر کسی حوالے اور ثبوت کے اُس پر لگا دیے اُن کو مولانا نے جوں کا توں تسلیم کر لیا اور اُن پر ایک تند و تلخ جواب غالباً یہ جانتے ہوئے سائل کے حوالہ کر دیا کہ اس سوال و جواب کو ان کے اپنے متقدمین اشتهار بازی کے لئے استعمال کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کوئی ضرورت یہ تحقیق کرنے کی نہیں سمجھی کہ جس گروہ کے متعلق یہ سوال کیا جا رہا ہے اُس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے بزرگوں کے متعلق فی الواقع کیا لکھا ہے، کن الفاظ میں لکھا ہے، کس سیاق و سباق میں لکھا ہے، اور اس کی دوسری تحریرات کیا شہادت دیتی ہیں کہ وہ ان بزرگوں کے متعلق کیا خیالات رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ سمجھی کہ اس گروہ کے بعض اشخاص کی طرف منسوب کر کے جو باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں وہ فی الواقع کس نے کہی ہیں، اُس کی اس گروہ میں کیا حیثیت ہے، اور اس کی کسی بات کو پورے گروہ کے خیالات کی ترجمانی قرار دیا بھی جاسکتا ہے یا نہیں۔ بالفرض اگر مولانا کے پاس اس گروہ کی مطبوعات پڑھنے کے لئے وقت نہ تھا، اور نہ بیان کر وہ امور کی تحقیق ہی کے لئے وہ فرصت پاتے تھے، تو آخر کس طبیب نے مشورہ دیا تھا کہ حضرت اس معاملہ میں راستے ضرور دیں؟ میں پوچھتا ہوں، کیا مذہبی پیشوائی کی ایسی ذمہ داری نہ ہے کہ ایک منفق عالم کی یہ روش ہونی چاہئے؟ کیا تقویٰ اور دیانت اسی چیز کا نام ہے؟ کیا یہی وہ نزکیہ نفس ہے جس سے حضرت خود بہرہ مند ہیں اور دوسروں کو بہرہ مند فرما رہے ہیں؟ کیا اس جواب کی تحریر کے وقت حضرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات یاد تھے کہ **مَسَاءِلُ الْمُسْلِمِ فُتْقُ اور مَسْئَلَةُ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ وَمَالُهُ وَرَعْمُهُ حَرَامٌ**؟ کیا یہ جواب لکھتے وقت حضرت نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچا تھا کہ ہمیں اور انہیں ایک وقت مرنا اور اپنے رب کی عدالت میں حاضر ہونا ہے، وہاں اگر سائن کے ازامات محض بہتان و اقترانات ہو گئے تو حضرت اس کی توثیق کی پاداش سے کیا دیکھیں گے؟

(۳)

مولانا اور اُن کے گروہ کے دوسرے حضرات جن کی تحریریں حال میں جماعت اسلامی کے خلاف شائع ہوئی ہیں، اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ کسی شخص یا گروہ کے عقیدہ و مسلک کے متعلق کوئی سائن عالم یا ظاہر کرنا دیا نہ اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ انصاف کے ساتھ اس کی تمام یا اکثر

تحریر میں کو خود نہ پڑھ لیا جائے۔ کسی خدا ترس آدمی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ محض سنی ستانی باتوں پر دوسروں کو مضائقہ اور غفلت قرار دے بیٹھے، یا چند نیاز مندوں کی پیش کی ہوئی نشان زدہ عبارتوں پر رائے قائم کر لے اور اسے شائع کر دے، یا پہلے کسی کی خبر لینے کا غرم کر لیا جائے اور پھر اس کی کتابیں اس غرض سے کھنگالی جائیں کہ کہاں اس کو سطون کوٹنے اور اس پر الزام تراشی کرنے کی کوئی گنجائش ملتی ہے، یا ایک شخص کی بعض عبارتوں سے ایسے معانی اور نتائج نکالے جائیں جن کی تردید خود اسی شخص کی بہت سی دوسری عبارتیں کر رہی ہوں۔ اس طرح کی حرکتیں وہ لوگ تو کر سکتے ہیں جن کے پیش نظر صرف دنیا اور اس کی زندگی ہے، مگر جنہیں خدا اور آخرت کا بھی کچھ خیال ہو ان سے ایسی حرکات بالکل خلاف توقع ہیں۔ ان حضرات کی وہ تمام تحریریں ہم بلا استیعاب پڑھی ہیں جو انہوں نے ہمارے خلاف لکھی ہیں۔ ان کا پورا تجزیہ کرنے کے بعد جو کچھ ہم نے پایا ہے وہ یہ ہے:-

۱۔ بعض مقامات پر ہماری اصل عبارتیں نقل کرنے کے بجائے اپنے نکلے ہوئے نتائج اپنے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں اور انہیں ہمارے سرخسپ دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔ یہ حرکت تمام ایسے مقامات پر کی گئی ہے جہاں الزام لگانے والے نے محسوس کیا کہ اگر وہ ہماری عبارت کو ہمارے الفاظ میں نقل کرے گا تو اپنا الزام ثابت نہ کر سکے گا۔

۲۔ بعض مقامات پر ہمارے چند فقرے ایک سے زیادہ عبارتیں بنا کر کے ان سے اپنے من مانے نتائج نکالے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر وہی معنوں پورا پڑھا جائے یا وہ کتاب پوری دیکھی جائے جس کے چند فقروں پر ان نتائج کی بنا رکھی گئی ہے تو اس سے بالکل برعکس نتائج نکلتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یا تو محض کسی کے دکھائے ہوئے نشان زدہ فقرے مننتی صاحب نے ملاحظہ فرما لیے اور فتویٰ رسید کر دیا، یا پھر پورا مضمون پڑھنے کے باوجود انستہ الزام تراشی فرمائی۔

۳۔ بعض مقامات پر ہماری عبارات میں کھلی کھلی تحریفیں کی گئی ہیں۔ کہیں آگے پیچھے اپنے الفاظ ملائے گئے ہیں اور کہیں ایک فقرے کو ان فقروں سے الگ کیا گیا ہے جو اصل مدعا کو ظاہر کرتے تھے۔ اس طرح کی تحریفات غالباً یہ سمجھتے ہوئے کی گئی ہیں کہ جن لوگوں کی نظر سے ہماری اصل مستبوعات گزری ہیں ان کی

نگاہ میں چاہیے محترف کی رتی برابر وقعت باقی نہ رہے، مگر بہت سے نادانفہم لوگ تو دھوکا کھا ہی جائیں گے۔
۴۔ بعض مقامات پر ہماری عبارت تو صحیح نقل کی گئی ہے مگر ہمارا انشا سمجھنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی گئی اور بنیادیں بدظنی کے ساتھ ہمارے الفاظ سے بالکل غلط معنی نکال لئے گئے، حالانکہ ہم سے پوچھا جائے تو ہم اپنے الفاظ کا صحیح محمل بتا سکتے ہیں اور اپنی دوسری تحریروں سے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے ہمارا اصل مدعا کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک عبارت اگر دو یا زیادہ معنوں کی محتمل ہو تو معتبر صرف وہی معنی ہونگے جو خود مصنف بیان کرے اور جن کی شہادت اس کی دوسری عبارتیں دیں، نہ کہ وہ جو ایک معاند بیان کرے۔

۵۔ بعض مقامات پر کسی ماخذ اور حوالے کے بغیر ہماری طرف ایک عقیدہ یا مسلک یا جرمیہ منسوب کر دیا گیا ہے، حالانکہ ہم اس سے بار بار با الفاظ صریح براہت ظاہر کر چکے ہیں اور ہماری تحریروں سے ہرگز اس الزام کا ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہم حیران ہیں کہ یہ آخر دیانت کی کونسی قسم ہے کہ کسی کو زبردستی گمراہ، بدعقیدہ اور مجرم بنانے کی کوشش کی جائے درآنحالیکہ وہ بار بار اس سے براہت ظاہر کر رہا ہو۔
۶۔ بعض مقامات پر ہماری خلاف ایسے اعتراضات کئے گئے ہیں جن کے مدلل جوابات ہماری تحریروں میں موجود ہیں۔ یہ اعتراض اگر ان تحریروں کو پڑھے بغیر کئے گئے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کو دوسروں پر اعتراض جڑنے کا بڑا شوق ہے مگر ان کے مسلک سے واقف ہونے کی تکلیف گوارا نہیں ہے۔ اور اگر جوابی دلائل سے واقف ہونے کے باوجود ان اعتراضات کو دہرایا گیا ہے اور جوابی دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا تو یہ صریح جھگڑا اور ہتھیت کی علامت ہے۔

۷۔ بعض مقامات پر ہماری تحریک، یا ہمارے مسلک، یا کسی خاص معاملہ میں ہمارے نقطہ نظر پر ایک جامع رائے کا اظہار کیا گیا ہے مگر اس کی تائید میں کوئی شہادت ہماری تحریروں سے پیش نہیں کی گئی، نہ یہ بتایا گیا کہ اس رائے کی بنیاد کیا ہے۔ اس طرح کی بے بنیاد رائے نہ نیاں کرنے پر اگر کوئی اثر آئے تو دنیا میں کون ہے جو اس کی رائے کی ضرب سے بچ سکتا ہو۔

۸۔ بعض مقامات پر ہماری اعتراضی تقریر کا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ہم نے

کسی فقہی مسئلے کے بیان میں، یا کسی کلامی مسئلے کی تشریح میں کوئی غلطی کی ہے۔ لیکن اسے بیان ایسے مبالغہ انداز سے کیا گیا ہے کہ گویا معاذ اللہ ہم نے اسے دین کو ہدم کہہ ڈالا ہے۔ حالانکہ نہ علمی مسائل میں غلطی کر جانا کوئی دنیا سے نرالا واقعہ ہے اور نہ ہر غلطی لازماً مگر اس ہی ہوتی ہے۔

۹۔ بعض مقامات پر ایسے امور کی مخالفت اور فتوے بازی کی بنیاد بنایا گیا ہے جن میں اختلاف کی گنجائش ہے اور فریقین کے پاس اپنے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں شرعی دلائل موجود ہیں۔ اس طرح کے اختلافی مسائل کو ایک علمی بحث کا موضوع تو بنایا جاسکتا ہے، مگر کسی معقول انسان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان کی بنیاد پر مخالفت کا طوفان اُٹھے گا اور فتوے بازی پر اتر آئے گا۔

یہ تجزیہ جو ہم نے ان حضرات کی مخالفتانہ تحریریں کا کیا ہے اس کے ہر جزئی کی نظائریں ہم ان کی تحریروں سے پیش کر سکتے ہیں۔ وہ جب چاہیں اس کے نظائر ان کی خدمت میں حاضر کر دیے جائیں گے۔ اس سے پہلے اُترا کی فتاویٰ، منکرین حدیث، بریلوی اور مسلم لگی حضرات اس طرح کی نیادیتیاں ہم پر کرتے رہے ہیں۔ بعض مناظرہ باز اہل حدیث نے بھی یہ شیعوہ اختیار کیے رکھا ہے۔ بعض اخبارات اور رسائل کا تو برسوں سے مستقل طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ ان متجھکندوں سے ہمارے خلاف رائے عام پیدا کریں لیکن ہم کسی ایسے شخص کو قابل التفات نہیں سمجھتے جس کے طرز عمل میں جیا اور خوف خدا کے فقدان کی علامات پائی جاتی ہوں۔ دیوبند اور مظاہر العزم کے ان اکابر کو ہم ابھی تک اس صف میں شامل نہیں سمجھتے۔ اُن سے یہ توقع باقی ہے کہ وہ اس حد تک اپنے آپ کو گرا ہوا ثابت نہ کریں گے۔ اسی لئے ہم نے ان پر اتنا وقت صرف کیا ہے۔ خدا نخواستہ جس روز اس پہلو سے ہمیں مایوسی ہوگئی، اس کے بعد انشاء اللہ ان کے ہزار مضامین اور اُن کی لاکھ اشتہار بازیوں کا ایک جواب بھی ادھر سے سنتے ہیں نہ آئے گا۔

(۴)

ہمارے لئے یہ بات سخت حیران کن ہے کہ جاری مخالفت میں صرف علماء دیوبند ہی نہیں دوسرے گروہوں کے علماء بھی جن باتوں کو بار بار چھانٹ چھانٹ اور اُچارا اُچارا کہہ رہے ہیں وہ قریب قریب سب کی سب ایسی ہیں جن کو ہم نے اُچارا اُچارا کسی بحث کے ضمن میں، یا کسی سوال کے جواب میں

لکھ دیا ہے۔ بلکہ بعض باتیں تو ایسی نکال نکال کر لائی جا رہی ہیں جو برسوں سے ترجمان القرآن کے پرنے والوں میں دبی پڑی تھیں اور خود میں بھی یاد نہ تھیں کہ وہ ہمارے قلم سے نکلی ہیں۔ ان میں شاید کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کی ہم نے خاص طور پر تبلیغ کی ہو۔ یا جس کے ماتنے کی لوگوں کو دعوت دی ہو، یا جس کو ہم نے بار بار دہرایا ہو۔ لیکن ہمارے یہ مخالف علماء اپنے فتوؤں اور مضامین اور اشتہارات میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ گویا ہمارا اوڑھنا بچھونا ہی مسائل ہیں، انہی کے ذکر و بیان میں ہم نے اپنی عمر کھپاٹی ہے اور انہی کو پھیلانے میں ہم رات دن لگے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس جن نیالائت کو پھیلانے کی فی الواقع ہم برسوں سے کوشش کر رہے ہیں، جن چیزوں کو ہم نے بار بار لکھا اور کہا ہے، جن باتوں کو ماتنے کی دنیا بھر کو دعوت دی ہے جس چیز کو قلم کوٹنے کی سعی میں ایک عادت دراز سے ہم اپنی جان کھپا رہے ہیں، اور جن چیزوں کو مٹانے کے لئے ہم نے اپنا سارا زور صرف کر دیا ہے۔ ان کا یا تو سرے سے ان حضرات کی تحریروں میں کہیں ذکر ہی موجود نہیں ہے، یا کبھی کبھار کسی نے ”ہنرش نیرگو“ کی شرط پوری کرنے کے لئے ان کا ذکر کیا بھی ہے تو بس ایک اچھا ہوا اشارہ کر دیا ہے۔ کیا ان حضرات میں سے کوئی صاحب ذرا سنی تکلیف فرما کہ ہمیں بتائیں گے کہ اس انتخاب میں کیا حکمت پیش نظر ہے؟ قرآن سے جو اصول ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنے ان کاموں سے جانچا جاتا ہے جن کی اسے زیادہ تر فکر ہو اور جن میں وہ اکثر مشغول رہے۔ یہ غائب فکر اور اکثری مشغولیت اگر حق ہو تو کبھی کبھار کے عطا کام بلا تو بہ ضی معاف ہو سکتے ہیں کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ مگر یہ عجیب ماجرا ہے کہ ہمارے وہ حاضر کے بندہ گان دین ایک گروہ کے وقتی امداد حیاتی اور عارضی کاموں کو اس مقصد کے لئے چننے اور پکڑتے پھرتے ہیں کہ اس کی مستقل دعوت اور اس کے شبہ و رونا کے شفعے اور اس کی غالب فکر پر ان کے ذریعے سے پانی پھیر دیں۔ یہ حرکتیں دیکھ کر دل بے اختیار اللہ تعالیٰ کو شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے آخرت کی عدالت کے جملہ اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔ اگر خدا نخواستہ کچھ بھی اختیار ان حضرات کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہوتا تو نہ معلوم یہ کن ترانہ دلوں سے مخلوق خدا کو لاتے اور کیسی کیسی چھوٹی باتوں پر لوگوں کے عمر بھر کے اعمال حبط کر دیتے۔

ان حضرات کی خاص کوشش یہ ہے کہ ان باتوں کو کسی نہ کسی طرح ہمارے سر منڈھیں جن سے ہمارے

تخلاف عوام کے جذبات بھڑک سکتے ہوں۔ مثلاً یہ کہ جماعت اسلامی والے عام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اپنے سوا سب کو کافر سمجھتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر سب ایمان کا حکم لگاتے ہیں، صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں، بزرگان دین اور خصوصاً اکابر صوفیہ کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کا امیر عہد اور مہدی ہونے کا مدعی ہے اور آگے کچھ اور بنا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان الزامات کے ثبوت فراہم کرنے میں جیسی کچھ محنت کی جا رہی ہے اور جس جانفشانی کے ساتھ ہزاروں صفحات کے مضامین میں سے لفظ لفظ چن کر ہمارے خیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جا رہا ہے جو خود ہمارے علم میں بھی پہلی مرتبہ انہی حضرات کے واسطے آتا ہے، وہ چاہے کسی اور کی نگاہ سے مخفی ہو، مگر ہماری نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم اس کمال فن کی داد تو ضرور دیتے ہیں، کیونکہ ہم ہر کمال فن کے قدر شناس ہیں، خواہ وہ نقب زنی و حیب تراشی کا ہی کمال کیوں نہ ہو، مگر معلوم صرف یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کی فکر چھوڑ کر آخر اس کام میں یہ عرق ریزی کس لئے کی جا رہی ہے؟ اور یہ اصول قرآن، حدیث، یا طریق سلف میں کہاں سے اخذ کیا گیا ہے کہ تم ضرور دھوؤ گے دھوؤ گے لوگوں کو مطمئن کرنے کے وجہ تلاش کرو اور پھر بھی کام نہ چلے تو اپنی طرف سے کچھ ملا کر فرد جرم مکمل کر دو۔

(۵)

ایک اودبات جو ہمارے لئے اس سے کچھ کم حیران کن نہیں ہے وہ ہمارے معاملہ میں بعض اکابر کے نقطہ نظر کا تغیر ہے جو پہلے چند برس میں رونما ہوا ہے۔ حالانکہ ہمارے خیالات برسوں پہلے جو کچھ تھے وہی آج ہیں، اور ہماری وہ تحریریں جن پر آج ہم ضال او مضل، بلکہ بد بخت اور خبیث تک ٹھیرائے جا رہے ہیں اُس وقت سے بہت پہلے شائع ہو چکی تھیں جبکہ ان بزدلوں کی نگاہ میں ہم کم از کم ضال او مضل تو نہ تھے۔

۱۹۴۵ء کے آغاز میں انجمن اصلاح القرئی، ریوانہ آیا، ضلع لائل پور سے جناب مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں ہمارے متعلق ایک استفسار بھیجا گیا تھا۔ اس کا جواب مولانا کی طرف سے وصول ہوا اس کے الفاظ یہ تھے :-

”مودودی صاحب کی تحریرات بیشتر صحیح ہیں اور ان کی تحریک میں نظری طبع پرکٹنی غلطی

اور مگر ابھی نہیں ہے۔ صرف یہ بات محل غور ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس تحریک کے مفید و بار آور

ہونے کے لئے ظروف مساعد ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ تحریک صاحب حال سے یا مرفوع صاحب قال ایک اور صاحب نے ضلع بارہ بنگلی سے اسی زمانہ میں مولانا کی خدمت میں جماعت اسلامی کے متعلق ایک سوال بھیجا تھا جس کا یہ جواب آیا تھا :-

”مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ اصولاً تو صحیح ہے مگر آج کل عملی نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ حدود شرعیہ جاری ہونی چاہئیں۔ یہ بات اصولاً تو صحیح ہے مگر اس زمانہ میں قطعاً یہ مسائق پر اور ہم زانی پر جاری کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اسلامی حکومت حامل ہے۔ تاہم اگر کوئی انکی جماعت میں داخل ہو کہ حسب استطاعت اسلامی خدمت کرے تو مضائقہ نہیں ہے۔“

آج وہی مولانا کفایت اللہ صاحب ایک دوسرا فتویٰ صادر فرماتے ہیں جو سہارنپور کے شائع شدہ ایک اشتہار میں یوں درج ہے :-

”مودودی جماعت کے افسر مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کہ میں جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور متفقہ عالمیہ علم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے تاہم دینی رجحان ضعیف ہے، اجتہادی شان نمایاں ہے، اور اسی وجہ سے ان کے مضامین میں بڑے بڑے علماء و اعلام بلکہ صحابہ کرام پر تیشی و اعتراضات ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے اور ان سے میل جول، ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہئے۔ ان کے مضامین بظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو ضمیمہ کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگان اسلام سے بدظن بنا دیتی ہیں۔“

اسی سہ ماہیہ کے آخری جہینوں میں مولانا حسین احمد صاحب سے جماعت اسلامی کی دعوت کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا :-

”مولانا مودودی کا نظریہ بہت سی تحریروں میں اور رسالوں وغیرہ میں شائع ہونا چاہیے۔ مجھ کو اس قدر فرصت نہیں ہے کہ بالاستیعاب دیکھوں۔ جس قدر مضامین نظر سے گزرے ہیں، حالت موجودہ میں ناممکن العمل ہیں، واللہ اعلم

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ موجودہ دور میں اور اس ماحول میں کیا شرعی تکلیف ہم پر ان امور

پر سب تصریحات عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟

ایک اور صاحب نے جو اس وقت فیروز پور جھکڑ میں نائب تحصیلدار تھے، جماعت کی تمام غیبتوں
مولانا کو بھیجی تھیں اور ان سے درخواست کی تھی کہ انہیں ملاحظہ فرما کر یہ بتائیں کہ جمعیت علماء ہند کے
مسک اور جماعت اسلامی کی دعوت میں سے کون حق پر ہے۔ نیز خصوصیت کے ساتھ ”ایک اہم استفنا“
کی طرف توجہ دلا کر پوچھا تھا کہ اس پمفلٹ کو پڑھ کر میرا دل اپنی ملازمت سے اچاٹ ہو گیا ہے، آپ
مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں۔ اس کا جواب حسین آباد ضلع مظفرنگر سے مولانا کے اپنے قلم کا لکھا ہوا
(مؤرخہ ۳۰ رزی الحجہ ۱۳۷۷ھ) وصول ہوا اس کے الفاظ یہ تھے :-

”محترما، میں اس قدر مصروف اور عظیم الفرصت ہوں کہ زمانہ ڈاک کا دیکھ لینا بھی نہیں
ہو سکتا چہ جائیکہ کتابوں کا دیکھنا اور جواب لکھنا۔ مودودی صاحب فاریع ہیں، جو چاہتے ہیں
لکھ دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں چھپوا دیتے ہیں۔ جمعیت العلماء نے جو طریقہ سیاسیات
میں اختیار کیا ہے وہ حسب استطاعت اُبْرُنْ اَبْلِیْتِیْن کی بنا پر ہے۔ موجودہ گرد و پیش میں
جو طاقت اور قدرت موجود ہے اسی پر اس کی حرکت و سکون کا مدار ہے۔ مودودی صاحب
جو فلسفہ پیش فرما رہے ہیں اس کے دیکھنے اور اس پر تنقید و مبصرہ کرنے یا اس کا جواب لکھنے
کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اگر آتی بھی تو ہمت نہیں ہے۔ مودودی صاحب اور
ان کے موافقین اپنے عمل کو حرکت میں لائیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہ کریں گے اور نہ کوئی محاذ قائم
کریں گے۔ اگر ہماری سمجھ میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے وہی عمل شرعی اور مفید سمجھ میں آیا
تو ہم بھی متبع بن جائیں گے ورنہ حسب قاعدہ قرآنیہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم غنہ
دوسری چیز آپ نے اپنی ملازمت کے متعلق پوچھی ہے۔ میں جہاں تک سمجھا ہوں
آپ کو جبکہ دوسرا طریقہ اکل حلال میسر ہے تو آپ کو اس ملازمت کو چھوڑ ہی دینا چاہئے اگرچہ
وہ اہم استفنا“ میری نظر سے نہیں گزرا مگر جو ضمن آپ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اُقریب الیٰ ہنوا

ہے۔ آپ کے احباب کا حکم میری سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ وہ علماء ہیں۔

آج ٹھیک پانچ برس بعد ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ میں وہی مولانا حسین احمد صاحب ہمارے متعلق اُس
رہائے کا اظہار فرماتے ہیں جو اس مضمون کے آغاز میں نقل کی جا چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس انقلاب
رہائے اور اس تغیر فکر و نظر کی علت کیا ہے؟ اگر اُس وقت سے اب تک کچھ نئی گمراہیاں ہم سے سرزد
ہو گئی ہیں جن سے اُس وقت تک ہمارا دامن پاک تھا، تو ازراہ عنایت ضرور ہیں اس سے آگاہ فرمایا جا۔
یا اگر اب ان حضرات کو اُن کتابوں کے پڑھنے کی فرصت مل گئی ہے جنہیں اُس وقت نہ پڑھا تھا، اور بالاستیعاب
ان کا مطالعہ فرما کر وہ ہماری گمراہیوں پر آج مطلع ہوئے ہیں، تو کم از کم یہی بات بصراحت ارشاد فرما دی
جائے۔ اور اگر بات یہ نہیں ہے بلکہ یہ سارے فتوے اور مضامین اب اس لئے برسنے شروع ہوئے ہیں کہ
جماعت اسلامی کی بڑھتی ہوئی تحریک سے اپنے حلقہ اثر کے آدمیوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ان بزرگوں کو
لاختی ہو گیا ہے، اور ساری فکر انہیں اب ان ٹوٹنے والوں کو روکنے کی ہے۔ — وہی فکر جس نے
اُستراکیوں، مسلم لیگیوں، بریلویوں، قادیانیوں، اہل حدیث اور منکرین حدیث کو ہماری مخالفت میں متحرک کر
رکھا ہے۔ — تو گستاخی معاف، یہ انداز فکر اہل حق کو زیب نہیں دیتا اور نہ یہ سمجھ سکتے ہیں ان کے شایان
شان ہیں۔ یہ تو دوکانداروں کے سوچنے کا انداز ہے کہ مقابل کی دوکان اُن کے گاہکوں اور سامیوں کو
تڑپنے نہ پائے، اور شاید کوئی شریف دوکاندار بھی، اگر تھوڑی سی خدا ترسی اُس میں ہو، اس حد تک
گرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ محض گاہک بچانے کے لئے حریف دوکاندار کے مال میں کیڑے ڈالنے لگے۔
بہر حال اپنی پذیریشن مشخص کرنا ان حضرات کا اپنا کام ہے۔ رہے ہم، تو الحمد للہ کہ ہم دوکاندار نہیں ہیں
نہ کسی کے حریف تجارت ہیں جس چیز کو ہم نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے حق پایا ہے، اسے
خلق اللہ کے سامنے پیش کر رہے ہیں جسے حق معلوم ہو، قبول کرے، اس کا اپنا جھلا ہے۔ جسے حق نہ
معلوم ہو، رو کر دے، اس کا معاملہ اُس کے خدا سے ہے۔ ساری دنیا اسے قبول کرے تو بجز آخرت کی
منفعت کے ہمیں کوئی اجر اس سے مطلوب نہیں۔ اور اگر ساری دنیا اسے رو کر دے تو ہمارا اس سے
کوئی نقصان نہیں۔

(۶)

آخر میں ہم امام ان علماء سے جو اپنے آپ کو اہل حق میں سے سمجھتے ہوں۔ اور جن کوئی اوقات دنیا کے ساتھ آخرت کی بھی کچھ فکر ہو، تین باتیں صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں۔

اول یہ کہ ہم اس وقت فتن و ضلالت کی اس حکمرانی کو مٹانے کے واسطے ہیں جو علوم و افکار پر، اخلاق و معاشرت پر، تہذیب و تمدن پر اور معیشت و سیاست پر قائم ہے، اور ہماری تمام کوششیں اس کام کے لئے وقف ہیں کہ زندگی کے ان تمام شعبوں پر خدا کے دین کی حکمرانی قائم ہو۔ آپ حضرت اگر کچھ بھی تو شمع کی صلاحیت رکھتے ہیں تو کھلے کھلے آثار آپ کو یہ بتا سکتے ہیں کہ دین کی حمایت میں اس وقت وہ کونسی استعداد و منظم طاقت ہے جس کو فتن و ضلالت کی ساری طاقتیں اپنا اصلی حریف سمجھ رہی ہیں اور کس کے خلاف انہوں نے اپنا پورا زور لگا رکھا ہے۔ اشتراکیوں سے پوچھئے کہ علماء کے پورے گروہ کو آپ اپنے لئے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں یا جماعت اسلامی کو؟ منکرین حدیث کی اپنی تحریروں میں دیکھ لیجئے کہ اہل حدیث اور دوسرے تمام حامیان حدیث کے خلاف ان کا غصہ زیادہ بھڑکا ہوا ہے یا جماعت اسلامی کے خلاف؟ قادیانیوں کے اپنے اخبارات و رسائل آپ کو بتا دیں گے کہ ان کو جماعت اسلامی کا زیادہ خوف لاحق ہے یا اپنے دوسرے مخالفین کا؟ مغربیت کے علمبرداروں کی تحریروں اور تقریریں اور عملی تدبیریں آپ کے سامنے خود شہادت دیں گی کہ وہ زیادہ پریشان جماعت اسلامی سے ہیں یا باقی ماندہ پورے مذہبی طبقے سے؟ اس وقت میں بیکہ ان طاقتوں سے ہماری کشمکش برپا ہے، آپ کو خوب سوچ لینا چاہئے کہ آپ کا دین کس پلڑے کی طرف جارہا ہے۔ آپ لڑنا چاہیں تو شوق سے لڑیں۔ مگر اپنا انجام سوچ لیں۔ اگر خدا کے ہاں آپ سے باز پرس ہوئی اور پوچھا گیا کہ جب طاقت اور فتن، اور بدایت اور ضلالت کے درمیان معرکہ برپا تھا تو تم نے کس کو کس پر ترجیح دی تھی، اس وقت آپ کیا جواب دیں گے؟ اس وقت آپ اپنے یہ فتوے اور یہ مضامین اور یہ اعتراضات تحت میں پیش کر کے بچ بچنے کی توقع رکھتے ہوں، اور آپ کو امید ہو کہ ہماری خطائیں اور لغزشیں گناہ آپ ثابت کر سکیں گے کہ اس معرکہ کے فریقین میں دراصل کشتنی و کدون زدنی ہم ہی تھے، تو بسم اللہ، اپنی یہ ہم جاری رکھیے

اور کچھ کسر ابھی باقی رہ گئی ہو تو اسے بھی پورا کر دیا جائے

دوم یہ کہ اگر فی الحقیقت آپ میں سے کوئی نفسانیت کی بنا پر نہیں بلکہ حقانیت کی بنا پر ہم سے اعتراض ہے تو اس کو چاہئے کہ زبان دکھولنے سے پہلے اس بات کے ساتھ ہمارے ان کچھ مسائل کو اس کے اس معاملہ میں ایک چچی تلی رائے قائم کر لے کہ آیا بیماری حیثیت ایک ایسے گروہ کی ہے جس سے عرف اختلاف کیا جاسکتا ہے، یا ایسے گروہ کی جس کی مخالفت جی کرنی ضروری ہے، یا ایسے گروہ کی جو مذکور بالا معرکہ کے فریقین میں سے اس بات کے لئے احق ہے کہ آپ اس کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں؟ چونکہ اس وقت کشمکش برپا ہے اور یہ ایک قطعی فیصلہ پر پہنچے بغیر ختم ہونے والی نہیں ہے، اس لئے آپ کو متفرق مسئلہ پر اپنی اعتراضی تقریریں مرتب کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ہو گا کہ آیا اپنی تمام کردہ و نا کردہ خطاؤں کے باوجود ہم ان لوگوں کی بہ نسبت آپ حضرات کے لئے زیادہ قابل برداشت ہیں جو یہاں فسق و فساد پھیلا رہے ہیں، یا ہم ایسے ناقابل برداشت ہو چکے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں اشتراکی تقاضائی منکرین حدیث، اور فرنگیت کے علمبردار، سب کو آپ برداشت کر سکتے ہیں؟

سوم یہ کہ ہمارا ہمیشہ سے یہ اعلان ہے اور آج بھی ہم اس پر قائم ہیں کہ ہماری جس بات کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ثابت کر دیا جائے ہم بلا تامل اس سے رجوع کر لیں گے۔ اب اگر ہم سے اختلاف رکھنے والے حضرات محض فتنہ پروازی نہیں چاہتے بلکہ اختلافات کا تصفیہ چاہتے ہیں تو ان کے لئے صحیح راستہ یہ نہیں ہے کہ اشتہار بازی کریں یا مخالفانہ پروپیگنڈے پر اتر آئیں، بلکہ صحیح راستہ یہ ہے اور یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ انہیں ہم پر جتنے بھی اعتراضات ہوں وہ انہیں ایک جانمبر وار لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم انشاء اللہ ان کی تحریر کو ان صفحات میں لفظ بلفظ درج کر دیں گے اور اپنے جوابات سے ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ یا اگر وہ خود اپنے ہی کسی اخبار اور رسالے میں اپنے اعتراضات شائع کرنا پسند فرمائیں تو ہم اس شرط کے ساتھ ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں کہ اول تو وہ آٹھ دن کی طعنہ زنی بند کر کے اپنے جملہ اعتراضات بیک وقت مرتب فرمادیں، دوسرے یہ کہ وہ اس بات پر راضی ہوں کہ جس طرح ہم ان کے اعتراضات کو لفظ بلفظ نقل کر کے ان کا جواب دیں گے اسی طرح

وہ بھی ہمارے جواب کہ اپنے ہاں الفاظ بلفظ نقل کر کے پھر جو چاہیں اس پر خامہ فرسائی کریں۔

رقیہ مضمون صفحہ ۱۰۳

اس دور کو اہل تاریخ نے ”پربک دور“ کا نام دیا ہے جس میں وید اور گوتم بدھ کی تعلیم کے بجائے پڑانوں کی تعلیم پر عمل شروع ہو گیا تھا۔ یہ دور بدھ ازم کے دورِ سنرل سے مسلمانوں کے داخلہ ہند تک جاری رہا، موزین کا اتفاق ہے کہ یہ دور قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک دور تھا، اس عہد میں بت پرستی اور کمال کو پہنچ گئی۔ مندر اور عبادت گاہیں زنا و خشی کاری کے اڈے بن گئیں اور مندر کے پجاری ایسے اخلاق سوز اعمال کا ارتکاب کرنے لگے کہ ان کے تصور ہی سے انسانی روح کانپ اٹھتی ہے۔ عرض ہندوستان میں ہندوؤں کی دینی اور اخلاقی حالت بھی اس اذیتناکی حالت کو پہنچ گئی تھی کہ اسکی اصلاح کی کوئی توقع نہ رہی تھی۔

(باقی)

ایک تنبیہ

ایک فاضل دوست نے متنبہ کیا ہے کہ ترجمان کے پچھلے شمارہ کے ص ۳۴۹ پر اسراذلنا بادی الوائے کا ترجمہ ”حقیر اور رائے سے کوئے“ کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ تنبیہ بالکل درست ہے اور میں اس کے لئے شکرا گزار ہوں۔ لیکن میں نے یہ ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ حکیم عبدالرشید محمود صاحب نے ہم لوگوں کیلئے ”رائے سے کوئے“ کا جو لفظ استعمال کیا تھا میں نے ”بادی الوائے“ کے لفظ کے اندر اس کی جھلک دکھائی تھی کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی قسم کے ذہن سے تراش ہوئے ہیں اور معاملہ کے اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے حکیم صاحب قبلہ نے الفاظ وادین کے اندر کر دیے تھے تاکہ ناظرین پر واضح ہو سکے کہ

ایں دو شمع اند کہ از یکدگر افرودختہ اند

امید ہے اس سے کئی صاحب کو غلط فہمی نہیں ہوگی

امین احسن (اصلاحی)